

بحث و نظر

مولانا محمد عیسیٰ منصوری

جیئرمین ورلڈ اسلامک فورم (لندن، یو۔ کے)

دینی مدارس اور عصری تقاضے

برصغیر کے دینی مدارس اور جامعات میں صدیوں سے جو نصاب تعلیم پڑھایا جا رہا ہے وہ درس نظامی کہلاتا ہے یہ دراصل مسلم دور کا عصری و درباری نصاب تعلیم تھا۔ اس وقت تعلیم میں دینی و دنیوی کی تفریق و دوئی نہیں تھی۔ یہ نصاب تعلیم اس دور کی عصری و درباری ضرورتوں کی بھی پورا کرتا تھا۔ اور دینی ضرورتوں کو بھی ۱۸۵۷ء کے غدر یا انقلاب کے بعد سرکاری درسگاہوں میں اس کی جگہ انگریزوں نے اپنی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر نیا نصاب تعلیم رواج دیا جس کا بنیادی مقصد انگریزوں کے لئے وفادار کلرک و نوکر پیدا کرنا تھا۔ علماء کی ایک بڑی تعداد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کام آئی باقی ماندہ علماء کی ایک کمیپ کالے پانی اور جیلوں میں ڈال دی گئی۔ انگریز برصغیر کو عیسائی مملکت بنانے کا عزم نیکر آتھا قیامتاً ابتداء میں ہر داؤمی والے اور اونچے پا جاے والے کو قتل کیا گیا دینی مدارس بند کر دیے گئے۔ ان مدارس کو مسلم حکمرانوں کی عطا کردہ زمینیں و جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ۱۸۷۷ء میں شاملی (خلع مظفر نگر) کے میدان میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی، امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوٹی نے جہاد بالسیف بھی کیا۔ حافظ پیر ضامن سمیت بہت سے علماء نے جام شہادت نوش فرمایا۔ شاملی کے بعد علماء کی بصیرت نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ اسلامی میدان میں انگریز صدیوں آگے نکل چکا ہے اسلئے اس میدان میں مقابلے سے مزید نقصان بڑھے گا۔ اب علماء کا یہ گروہ احرار برصغیر میں اسلام کے تحفظ کے لئے نئے محاذ و میدان کی تلاش میں بٹ گیا۔ دارالعلوم دیوبند اس نئے لائحہ عمل کا سب سے نمایاں عنوان بن گیا۔ اس کے بانی حجۃ السلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا یہ جملہ زبان زو عام ہیں ”فقیر نے اپنے مشن پر علم کا نقاب دال دیا ہے“ حضرت شیخ الہند نے مدرسہ کی غرض و قایت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا! ”حضرت استاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس و تعلیم کے لئے قائم کیا تھا مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ اسلئے قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے ذریعہ سے لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جاسکے (اسلام و مغربیت کی کشمکش)

حالات کے شدید دباؤ کے تحت ان مدارس کی حکمت عملی دفاعی تھی حقیقت یہی ہے کہ دیوبند ہوا علی گڑھ دونوں کا نصاب تعلیم اس وقت کے مخصوص حالات اور پس منظر اور دور غلامی کے تقاضوں کا عکاس تھا ان حالات میں

اس سے بہتر ممکن بھی نہ تھا دونوں کی بنیاد خوف اور تحفظات پر تھی سرسید کو یہ خوف لاحق تھا کہ عصری تعلیم اور انگریزی سے بے اعتنائی برتی گئی تو مسلمان سرکاری ملازمتوں میں تجارت و صنعت اور قوی زندگی کے دوڑ میں برادران وطن سے پچھڑ جائینگے اور علماء کو یہ اندیشہ خوف تھا کہ کہیں برصغیر دوسرا چین نہ بن جائے کہ کوئی مسئلہ بتانے والا فتویٰ دینے والا اور رہنمائی کرنے والا ملے یہ واقعہ ہے کہ برصغیر میں جس قدر بھی اسلام سے وابستگی اور دینی امور کے چرچے ہیں وہ انہی بزرگوں کی حکمت عملی کا صدقہ طفیل ہے۔ ۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد حالات ضروریات اور تقاضے تبدیل ہو گئے تھے اس وقت علی گڑھ اور دیوبند دونوں کے نصاب ہائے تعلیم میں اجتہادی تبدیلیوں بلکہ انقلاب کی ضرورت تھی اب نئی ضروریات اور جدید تقاضوں کے مطابق از سر نو نصاب تعلیم مرتب کیا جانا چاہئے تھا جو دنیا کی جدید معیشت معاشرت، سیاست و حالات کے درپیش مسائل میں علمی و فکری و عملی رہنمائی کرتا اور جدید علمی و فکری چیلینجز کے مقابلہ کے لئے نئی نسل کو تیار کرتا علماء کو برصغیر کے تینوں حصوں میں قائدانہ و موثر رول و کردار ادا کرنے کے قابل بنانا تاکہ جدید حالات میں طلباء مدارس کی چہار دیواری سے نکلنے کے بعد جن حالات سے دوچار ہوں وہ انکے لئے نامانوس و اجنبی نہ ہوں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہوں اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ مدرسہ کی اس چہار دیواری میں گزار آئے ہیں جس کا باہر کی دنیا سے کوئی رشتہ نہ تھا بلکہ وہ دور حاضر کے علمی و فکری و نظریاتی چیلینجز کا آج کی زبان اور عصری اسلوب و دلائل میں مسکت جواب دینے کی پوزیشن میں ہوں اور اسلام کا اپنی انسانییت مؤثر طور پر پہنچا سکیں۔

ہمارے نصاب تعلیم کا ایک حصہ یعنی قرآن و سنت کی حد تک ہر دور کے لئے ہے اور ناقابل تغیر ہے اس کے علاوہ نصاب و نظام تعلیم کا پورا ڈھانچہ ہر دور کی تغیر پذیر قدروں اور تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوگا نصاب تعلیم بدلتے ہوئے حالات میں محض قدیم علوم و فنون کا میوزیم یا آثار قدیمہ بن کر نہیں رہ سکتا چنانچہ حضرت امام مالکؒ ابن شہاب زہریؒ سے لیکر شاہ ولی اللہ مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا محمد علی موغیریؒ تک اصل روح ہر جگہ برقرار ملے گی وہ ہے دین کا تحفظ اور عصری مزاج و تقاضوں کی روشنی میں اشاعت اسلام مگر نصاب تعلیم ہر دور کی ضرورتوں کے مطابق اختیار کئے گئے۔ تعلیم درحقیقت وہ بنیادی اینٹ ہے جس پر کسی قوم و سماج کی علمی و فکری زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے اگر یہ وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم اہنگ نہیں تو قوم و تمدن کے زوال کا سبب بن جاتی ہے چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں آج صدیوں سے مسلمانوں کی ذہنی ترقی کو جس چیز نے روک رکھا ہے اس کا مذہب دار صرف اور صرف نصاب تعلیم اور طرز تعلیم ہے (رسالہ النہدوہر) کیونکہ نصاب تعلیم کا رابطہ اس زندگی سے جو ہر وقت رواں دواں ہے اور ہر آن تغیر پذیر ہے حیات انسانی کی جملہ ترقیاں موقوف ہیں صحیح نصاب و نظام تعلیم پر اس کی حیثیت طبیب کے نسخہ کی سی ہے جو مریض کی حالت، اسکے مزاج، موسم، آب و ہوا کو سامنے رکھ کر ایک تناسب سے دواؤں کو انتخاب کرتا ہے درس نظامی کے سلسلہ میں دو بار

نصاب نہیں تھا بلکہ یہ درحقیقت مسلم دور حکومت کا عصری و درباری نصاب تعلیم تھا اسلئے اس میں پوری توجہ عصری و درباری علوم فلسفہ، منطق، علم کلام ریاضی وغیرہ پر بھی تھی فقہ وغیرہ پر اس وجہ سے توجہ ہوگئی تھی کہ مسلم دور میں قاضی و محاسب بننے کے لئے اس کی ضرورت تھی دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ بصریہ کے نصاب تعلیم کا خیر تنزل کے خیر سے ہے نہ کہ ترقی کے خیر سے چھٹی صدی ہجری میں تاتاریوں کی یلغار خلافت کے خاتمہ، اور بغداد کے قتل عام کے بعد عالمگیر اثر مسلمانوں کے دماغی و فنی حالت پر پڑا جس نے علوم اسلامی کو زوال پزیر کر دیا غرض ہمارے نصاب تعلیم کے خیر میں تنزل و زوال کا مواد موجود ہے کیونکہ اس کا بیشتر حصہ ساتویں صدی ہجری کے بعد سے تعلق رکھتا ہے اس دور کا مزاج و ذوق قرآن و سنت کے بجائے فلسفہ و معقولات نے تیار کیا تھا چنانچہ محدث شہیر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں مدارس عربیہ میں اس وقت جو نصاب رائج ہے حدیث و فقہ کی کتابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد وہ زیادہ تر ساتویں صدی ہجری اور اسکے بعد کے قرون کی یادگار ہے جب صحیح معنی میں علمی انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا کتاب کی عبارت پر کاغذ کم خرچ کیا گیا اور اسکے حل پر دماغ زیادہ خرچ کیا گیا یہ دماغی عیاشی نہیں تو کیا ہے یہ علم کا سب سے بڑا فتنہ ہے جس سے علوم اسلامی اور معارف کو بڑا نقصان پہنچا (ماہنامہ الفرقان ۱۹۷۵ء) بصریہ کے نصاب تعلیم کا جائزہ لیتے وقت یہ نقطہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب کبھی بصریہ میں علم سمندری راستہ سے حجاز مقدس سے براہ راست آیا تو صحیح اسلامی علوم یعنی حدیث و فقہ رائج ہوئے جیسے مغلوں نے پہلے ہجرات میں علامہ طاہر بن علیؒ شیخ علی نقیؒ کے دور میں ہوا اور جب کبھی علم خشکی کے راستہ سے آیا تو تاتاری و ایرانی فلسفوں، منطق، معقولات کا غلبہ رہا اگر معقولات و فلسفہ کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا ان علوم کا شروع ہی سے شیعیت سے خاص تعلق رہا ہے نویں صدی ہجری ایران و ہندوستان میں علمی و فکری اور فنی انتشار کی صدی ہے اس دور میں ایران میں شیعیت کے ذریعہ فلسفہ و معقولات نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں۔

بصریہ کے نصاب تعلیم میں معقولات کے غلبہ کی تاریخ:

بصریہ میں سب سے پہلے سکندر لودھی کے دور میں ملتان کے ملا عبد اللہ تلمیذی کے ذریعہ فلسفہ، معقولات نصاب تعلیم کا حصہ بنیں جنہوں نے ایران جا کر فلسفہ حکمت اور منطق کی تعلیم حاصل کی تھی سکندر لودھی نے انہیں ملک العلماء کا خطاب دے کر قدر افزائی کی لیکن ہمارے نصاب تعلیم پر معقولات اور فلسفہ کا مکمل غلبہ دور اکبری میں ہوا جب مشہور رافضی عالم میر فتح اللہ شیرازی معقولات کا پورا دفتر لیکر ہندوستان پہنچے جنہیں اکبر نے صدر جہاں اور امین الملک کا خطاب دیکر راجہ توڑمل کے ساتھ وزارت مالیات میں شریک کر کے علماء کا سر تاج بنا دیا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایران ہر دور میں ان علوم و افکار کی آماجگاہ رہا ہے جو مقصد نبوت کے متضاد تھے شاید یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ فتح ایران کے بعد فرمایا کرتے تھے کاش ہمارے اور ایران کے درمیان آگ کا دریا حائل ہوتا اس کے بعد تو درس نظامی معقولات کا پورا دھڑا اٹھ گیا اور اس دور میں دینیات کی صرف تین

کتب تھی۔ جلالین، مشکوٰۃ اور ہدایا و شرح و قایم ایک سے عبادات دوسری دوسری سے معاملات اور عصری و درباری علوم کی ۴۰ سے ۵۰ کتب باقی درس نظامی کے بانی ملا نظام الدین سہالوی اسی فرنگی محل خاندان کے ایک فرد تھے۔ جس کی کل کائنات فلسفہ، معقولات رہی ہے آپ کا سلسلہ تعلیم ۴ پشتوں کے بعد میر فتح اللہ شیرازی سے جاملتا ہے۔ غرض درس نظامی میر فتح اللہ کی ایرانی شراب کے نچاند سے لبریز ہے ملا نظام الدین سہالوی کی زندگی بھر کا اصل میدان علم، معقولات و فلسفہ رہا ہے جیسا کہ آپ کی تصانیف اور شاگردوں سے ظاہر ہے۔ تصانیف جیسے شرح مسلم الثبوت، صبح صادق، شرح منار حاشیہ صدر اشمش بازغہ حاشیہ بر حاشیہ قدیمہ اور شاگرد جیسے علامہ بحر العلوم ملا عبد العلّی ملا کمال ملا حسن وغیرہ مولانا ابولکلام آزاد نے آج سے تقریباً ۶۲ سال پہلے ۲۲ فروری ۱۹۳۷ء کو اسی لکھنؤ میں علماء کی ایک مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ آپ کی تعلیم کا زیادہ حصہ ان چیزوں پر مشتمل ہے جیسے عام بول چال میں معقولات سے تعبیر کیا جاتا ہے آپ مدرسوں میں جن چیزوں کو معقولات کے نام سے پڑھا رہے ہیں یہ وہ چیزیں ہیں جن سے دنیا کا دماغی کارواں ۲۰۰ برس پہلے گزر چکا ہے آج اس کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے یہ سب بیکار ہے سوائے اسکے کہ اس سے دماغ کو بیکار کریں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا۔ آج میں علمائے کرام کے مجمع سے وہی کہنا چاہتا ہوں جو مولانا ابولکلام آزاد نے ۶۲ سال پہلے کہا تھا ”کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کریں جسے دنیا نے دیکھ سوسال پہلے تسلیم کر لی تھی اگر سوسال پہلے ہم نے تبدیلی نہیں کی تو کم از کم یہ تبدیلی ہم کو ۵۰ برس پہلے کر لینی چاہئے تھی آپ عصری تقاضوں سے نظریں چرا کر وقت سے لڑ رہے ہیں اس کشمکش کی عمر بڑھ سکتی ہے لیکن آخر میں قدامت پسندی کو ہار مانی ہی پڑے گی کیونکہ آپ وقت سے نہیں لڑ سکتے“

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نصاب تعلیم میں معقولات و یونانی فلسفہ اس دور کی عصری ضروریات کے تحت ہی داخل نصاب کئے گئے تھے جب ان علوم کے حاملین نے اسلام اور اسلامی تعلیمات پر اعتراضات اور سوالات کھڑے کئے تب امام غزالیؒ اور امام رازیؒ ابن تیمیہؒ نے یونانی علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کر کے انکی بنیادوں پر تیشے چلائے انکار عہد ختم کیا اور جوابات دئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں ہی ان علوم کی اثر پذیری ختم ہوئی تو انھیں نصاب تعلیم سے خارج ہو جانا چاہئے تھا مگر ان باطل افکار و فلسفوں سے بعض علماء کو ایسی دلچسپی و مشغفہ ہوا جیسے بنی اسرائیل کو پیچھے کی پوجا سے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے دینی جامعات میں آج تک وہی جوابات دہرائے جا رہے ہیں جو اس وقت غزالیؒ رازیؒ ابن تیمیہؒ نے دئے تھے۔ جب کہ یہ سوالات چار سوسال پہلے ختم ہو چکے ہیں اور جدید فکر و فلسفہ نے آج اسلام پر جو سوالات اٹھائے ہیں جو چیلنج سامنے رکھے ہیں علماء کو ان سوالات ہی کا پتہ نہیں جواب تو دور کی بات ہے قدیم نصاب تعلیم کے تمام غالی حامی اکثر فرمایا کرتے ہیں حضرت مدنیؒ مولانا عثمانیؒ محدث شہید مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہ کی تعلیم نصاب تعلیم کے مطابق حاصل کی کی تھی۔ مگر یہ سخت

مغالطہ ہے درس نظامی کی تربیت سے پہلے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں اہل علم اور اساتذہ فنون گزرے ہیں جن میں درس نظامی کے بانی و مرتب بھی شامل ہے کیا انھوں نے بھی درس نظامی پر دھکرے کی علی کلمات حاصل کئے تھے حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ دماغی و ذہنی صلاحیتوں کے افراد کے لئے کسی خاص نصاب کی ضرورت نہیں رہتی ایسے افراد ہزاروں بلکہ لاکھوں میں ایک آدھ ہی ہوتے ہیں جبکہ نصاب تعلیم اکثر طلبہ کی ضروریات و صلاحیت کو سامنے رکھ کر تیار کرنا ہوتا ہے۔ قدیم نصاب تعلیم پر ہٹ دھری کا نتیجہ ہے کہ بقول مفتی اعظم پاکستانی مفتی محمد شفیع کے آزادی کے بعد ہمارے دینی مدارس اور خانقاہیں بانجھ ہوتی جا رہی ہیں درس نظامی کے نصاب میں ۷۰ تا ۸۰ فیصد حصہ اس دور کے عصری و مغربی علوم کا ہی ہے جو اب فرسودہ اور بیکار ہو چکے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ یونانی علوم اگرچہ اسلامی نہیں مگر علوم الیہ کے طور پر داخل نصاب ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج کے جدید فلسفہ و سائنس و تاریخ، جغرافیہ، کمپیوٹر اور انگریزی کو علوم الیہ کے طور پر داخل نصاب نہ کیا جائے۔

آج کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ دور نبوت سے لیکر ۱۸۵۷ تک نصاب تعلیم میں دینی و عصری تعلیم کی وحدت کی طرف لوٹا جائے دینی و عصری علوم کے فاصلے کم از کم کئے جائیں درس نظامی میں خالص دینیات پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہے تفسیر کی کل کائنات جلالین ہے جو گویا قرآن کا لفظی ترجمہ ہے یا بیضاوی کے چند رکوع جو قرون وسطیٰ کے فلسفانہ پس منظر میں لکھی گئی تھی یہی حال حدیث کا ہے آخری سال میں نصف درجن احادیث کی کتب کا اس طرح رد و ردی میں دورہ کر دیا جاتا ہے طلبہ کی اکثریت احادیث کے ذخیرہ سے یوں گزر جاتی ہے جیسے کوئی شخص نیم خوابی کی حالت میں اوتگھتے ہوئے کسی باغ سے گزر جائے اور پھر بیان کرتا پھرے کہ میں نے یہ دیکھا وہ دیکھا یہی حال فقہ کی تعلیم کا ہے ہم نے بعض فروغی مسائل میں حضرت امام اعظم اور امام شافعی کے درمیان میدان مناظرہ و مجادلہ قائم کر رکھا ہے اس طرز کو محدث شہیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے عرض خالق کر دینے سے تعبیر کیا ہے جس طرح حقد میں نے اس زمانے کے فلسفہ و علم کلام کی روشنی میں اسلام کے مابعد الطبعی اعتقادات کو ثابت کیا تھا۔ ہم پر فرض ہے کہ موجودہ دور کے فکر و فلسفہ کی روشنی میں اسلام کے اثبات کا یہ کام کر کے جدید علم کلام مدون کریں۔

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

آپ اپنے موثر مضامین بذریعہ ای میل بھیج سکتے ہیں

© rasailojaraid.com
editor_alhaq@yahoo.com